© rasailojaraid.com

اباجان کے متعلق میری یادداشت کی کتاب کا آغاز قرول باغ دہلی میں ان کے دفتر ندوۃ المصنفین اور اوپر کی منزل میں ان کی رہائش گاہ سے ہوتا ہے اور یہیں سے بچپن کی وہ یادیں وابستہ ہیں جن کو انسان مرتے دم تک اپنے سینہ سے لگائے رکھتا ہے۔

۴۷ء کے ہنگاموں میں یہ دفتر کوٹھی جل کر خاکستر ہو گئے۔ جامع مسجد کے جنوب میں کٹرہ نظام الملک والی گلی میں پھر سے نئی زندگی شروع کی گئی۔ ہنستا کھیلتا بچپن رخصت ہونے لگا، شعور نے آنکھیں کھولنی شروع کیں، دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرتا تھا، چند دن کی بھی چھٹی ملتی تو دلی کا رخ کرتا۔

اباجان کی باہر کی اور گھر کی زندگی میں کوئی فرق نہ تھا، کتنوں کو دیکھا ہے باہر جن کے غلغلے ہوتے ہیں گھر کی زندگی میں کھوکھلے نکلتے ہیں، مگر اباجان کی پوری زندگی ایک خاص سانچے میں ڈھلی ڈھلائی تھی، ان کی گفتگو میں لطافت اور ہر انداز میں نفاست تھی۔ کوئی مصنوعی پن نہ تھا، کوئی بناوٹ نہ تھی، کوئی دکھاوا نہ تھا، گہرائی تھی سمندر کی طرح، دل ربائی تھی ایک پھول کی طرح، شفقت تھی مروت تھی، وضع داری تھی، خلوص اور ہر ایک کے ساتھ ہمدردی اور دلسوزی تھی۔

کسی کی شخصیت پر ان کا ایک جملہ، اس کی پوری زندگی کی تصویر ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے اُن سے پوچھا۔ آپ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے بہت نزدیک رہے ہیں، ان کی خصوصیت کیا تھی؟

اباجان نے کہا۔ میں نے ذاکر صاحب کو خود اپنے ہاتھ سے اپنے لان کی گھاس کھودتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ اور صدر جمہوریہ ہند کی کرسی پر بھی۔ مجھے ذاکر صاحب گھاس کھودتے ہوتے بھی اتنے ہی عظیم نظر آئے جتنے کرسیِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صدارت پر۔

دارالعلوم دیوبند کے ایک ایسے صاحب کی بات چلی جو دارالعلوم میں بلاتنخواہ کام کرتے تھے، یہیں کے ایک صاحب کا ذکر ہوا جو گندم اور از قسم گندم کچھ نہیں کھاتے۔

جی ہاں یہ نیکوں کی قسمیں ہوتی ہیں۔ شیطان کی قسمیں متعین ہیں، نیکی کی قسمیں متعیّن کرنا مشکل ہے۔ اباجان کے اس بھرپور جملہ نے محفل کو لالہ زار بنا دیا۔

مجلس مشاورت کی میٹنگ کے سلسلہ میں دہلی گیا ہوا تھا۔ دریا گنج جانے کے لیے اباجان کے ساتھ گھر سے باہر نکلا تو کتب خانہ عزیزیہ کے پاس میر مشتاق کھڑے تھے۔ اباجان نے میر صاحب کے احوال دریافت کیے تو میر صاحب نے کچھ صحت اور حالات کی ناسازگاری کی شکایت کی۔

اباجان نے کہا۔ اباجی مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ آرام کے ساتھ تھوڑی سی بے آرامی بھی ٹھیک ہی رہتی ہے، آدمی بھٹکنے نہیں پاتا۔

ایک مرتبہ دفتر بُرہان میں چیدہ چیدہ لوگوں کا اچھا خاصا مجمع تھا۔ جمعیۃ علما کی کچھ پرانی اور نئی باتیں چل پڑیں۔

بات وقار اور اعتبار کی ہوتی ہے۔ اباجان بول رہے تھے۔ اُس زمانے میں جمعیت کے دفتر سے ایک ٹیلی فون جاتا تھا تو منسٹری ہل جاتی تھی۔ آج خود ناظم اعلیٰ وزیروں کے گرد چکر لگائیں تو وقار کہاں رہے گا۔ جمعیتہ کے چالیس سالہ ریکارڈ میں کوئی ریزولیشن ایسا نہ ہوگا جو میرے قلم سے نہ ہو۔ جمعیتہ کا یہ دماغ آج جمعیتہ اور ملت اسلامیہ ہند کی پر درد تاریخ دہرا رہا تھا، محفل پر سناٹا تھا۔ درد دل تھا کہ ٹپکا پڑتا تھا۔ اور آخر میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اباجان کی زبان سے جگر مرحوم کا یہ شعر ساری مجلس کے جگر چیر گیا ؎

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

آج جام و پیمانہ ہی نہیں سارا میخانہ ہی زار زار ہے کہ وہ خاصہ میخانہ بلکہ حاصل میخانہ اور میر میخانہ ہم میں نہیں رہا۔ اس غالبِ خوش خصال کی صورت ہم میں نہیں ہے مگر اس کے نقش پا کی شوخیاں ہماری زیست کے لیے حیات کا پیغام بنی رہیں گی۔

اباجان مرحوم کھانے کے معاملہ میں بڑے خوش ذوق تھے، کم کھاتے تھے مگر اچھا کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ مجھے ان کے ساتھ دہلی سے دیوبند سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ میرٹھ گاڑی پہنچی تو دوپہر کا کوئی ساڑھے بارہ ایک کا وقت ہوگا، اسٹیشن پر روٹی چھولے کی آوازیں لگ رہی تھیں۔ اباجان نے دو روپے نکالے کہ روٹی چھولے لے لو۔ میں سمجھا صرف میرے لیے لے رہے ہیں۔ کہنے لگے۔ نہیں میں بھی کھاؤں گا، وہ پتلے سے چھولے اور ادھ کچری روٹی بڑی شوق سے کھائی۔ میرے انداز حیرت پر فرمانے لگے۔ وقت پر جو چیز مل جائے اچھی رہتی ہے۔ دیوبند پہنچ کر بے وقت کھانے دوسروں کو زحمت ہوتی، پھر اچھی خاصی تعریف چھولوں کی کرتے رہے یہ اُن کی سادگی اور بے نفسی کا ایک روشن رخ تھا۔

ایک مرتبہ مجھے ریڈیو کی ملازمت کا شوق چرایا۔ ان سے بالا بالا ساغر نظامی سے رابطہ پیدا کیا اور سروس میں جگہ کی بات پکی کر لی۔ جب بات تقریباً مکمل ہوگئی تو اباجان سے تذکرہ کیا۔ بظاہر حوصلہ افزائی کرتے رہے۔

جی ہاں ساغر صاحب اپنے ہی آدمی ہیں، میری طرف سے شکریہ ادا کر دینا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اب کب ملوگے؟

شام کو ملوں گا اور دو ایک روز میں جوائن کرلوں گا۔ میں نے جواب دیا۔

میرا خط لے جانا۔

لفافہ میں پرچہ رکھا تو اس کو بند نہیں کیا۔ میں نے پڑھ لیا۔ ہلکا سا اشارہ ایسا تھا جس سے میں سمجھ گیا کہ ابا جان کو یہ ملازمت پسند نہیں ہے۔ ارادہ کرلیا کہ پرچہ ساغر صاحب کو نہیں دوں گا۔ مگر جب ان سے ملا تو گفتگو کی روانی میں زبان سے نکل گیا کہ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے آپ کے نام خط دیا ہے اور بے اختیار خط جیب سے نکال کر ساغر صاحب کو دیدیا۔ پھر وہی ہوا جس کا کھٹکا تھا۔ دوبارہ کبھی ریڈیو اسٹیشن کی صورت نصیب نہ ہوسکی۔

دراصل وہ چاہتے تھے کہ میں اپنے خاندان کی روایات کے مطابق علمی سلسلہ قائم رکھوں۔ "تفہیم و علم" کا کام شروع کیا، چند مقالات ان کو سناتے۔ بہت خوش ہوتے، شاندار تحریر لکھی۔ بیچ میں سلسلہ رک گیا تو مالی امداد کرکے اس کو جاری رکھنے کی تاکید کی۔

مالیر کوٹلہ آگیا تو بہت خوش ہوتے جیسے گاڑی اپنی لائن پر آگئی ہو۔ قدم قدم پر رہنمائی کرتے رہے۔ حالات سے باخبر رہتے، حوصلہ بڑھاتے۔

میری بڑی لڑکی کی شادی طے ہوئی تو خود تاریخ طے فرمائی۔ اس کے بعد شدید بیمار ہوگئے۔ مگر اسی حالت میں دیوبند پہنچے۔ رخصتی کے وقت میری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر فرمانے لگے۔ خوشی اور غم کے مرحلے انسان پر گزرتے ہیں، حوصلہ رکھنا ہوتا ہے صلہ رحمی، قرابت کے رشتوں کی اتنی پاسداری کم ہی لوگوں میں ہوتی ہے۔ علماء کے طبقہ میں وہ ایک آئیڈیل تھے، ایک نمونہ تھے، روشنی کا ایک مینار تھے، ایسے انسان صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں اور ان کی یادیں لازوال ہوتی ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سانحۂ ارتحال

بر وفاتِ مفکرِ ملت حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

کفیل الرحمٰن نشاط

ہیں کربِ جاں کی پتیاں سکون کے گلاب ہیں
اداسیوں کا رنگ ہے حیات کی کتاب میں
کہاں سرور کی ضیا گہن ہے آفتاب میں
نشاطِ جاں کا ہر طرف شباب ڈھونڈتا ہوں میں
بغیر اس کے زندگی کا باب ڈھونڈتا ہوں میں

جو فخرِ ملک و قوم تھا وہ نیّرِ زماں گیا
جو کوہِ علمِ دین تھا وہ علمِ بے کراں گیا
امانتِ سلف گیا متاعِ خانداں گیا
نشاطِ جاں کا ہر طرف شباب ڈھونڈتا ہوں میں
بغیر اس کے زندگی کا باب ڈھونڈتا ہوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فلاحِ ملک و قوم میں تھی غرق جس کی زندگی
سکھائے جس نے دہر کو رموزِ عقل و آگہی
رہے گی یاد دیر تک جہاں کو جس کی سادگی

نشاطِ جاں کا ہر طرف شباب ڈھونڈتا ہوں میں
بغیر اس کے زندگی کا باب ڈھونڈتا ہوں میں

جو تھا امیرِ کارواں وقارِ کارواں بھی تھا
وہ ایک گل کہ باعث جمالِ گلستاں بھی تھا
جو خود ہی داستاں بھی تھا اور اہلِ داستاں بھی تھا

نشاطِ جاں کا ہر طرف شباب ڈھونڈتا ہوں میں
بغیر اس کے زندگی کا باب ڈھونڈتا ہوں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

شبیر احمد راہی، بھیونڈی

میں اسے باعثِ فخر و امتیاز سمجھتا ہوں کہ میرے تعلقات کسی نہ کسی حیثیت میں عہدِ حاضر کی اُن بیشتر اہم ہستیوں سے ہیں جنھیں قائدینِ ملت ہی میں نہیں، نفوسِ عالیہ میں بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔ یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ بعض ہستیاں اپنے علم و عمل، ایثار و قربانی، جرأت و جلادت، سنجیدگی و متانت، فکر و دانش اور مستقل مزاجی و پامردی کے خوشگوار نتائج کو دیکھنے سے پہلے ہی اس دنیا سے اٹھ گئیں لیکن جو نقوش قدم چھوڑ گئیں، شکر ہے کہ وہ رہ نوردوں کی منزلِ مقصود کی سمت ہمیشہ رہنمائی کرتے رہیں گے۔ انھی میں ایک نہایت اہم ہستی حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی جن کے تذکرہ کے بغیر بعد از تقسیم ہندستانی مسلمانوں کی تاریخ ادھوری رہے گی۔

کم و بیش ۲۵۔۲۶ سال قبل مفتی صاحب سے میری پہلی ملاقات اُن کی خاموش اور پرسکون کوٹھی، کٹرہ نظام الملک، جامع مسجد، دہلی میں ہوئی تھی۔ یہیں "برہان" کا دفتر ہے اور یہی مقام مفتی صاحب کی نشست گاہ بھی رہا ہے۔ یہی وہ تاریخی کوٹھی ہے جس میں ملت اسلامیہ ہند کے متعدد مسائل پیش ہوئے ہیں، بحثیں ہوئی ہیں، فیصلے کئے گئے ہیں اور پھر سارے ہندوستان کے مسلمانوں نے شدید مخالفتوں سے بے پروا ہو کر ان پر عمل بھی کیا ہے۔ ہندوستان کی مختلف ریاستوں سے مندوبین کی آمد پر خصوصی مجلسیں عموماً "بچوں کا گھر" دریا گنج میں منعقد کی گئی ہیں لیکن کل ہند مجلسِ مشاورت کی نشستیں عام طور پر انہی دو

© rasailojaraid.com